ڈاکٹر طاہرہ کاظمی کے کالموں کا تانیثی تناظر

(Feminist Perspective of Dr. Tahira Kazmi's Columns)

DOI: https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2022.06031807

ڈاکٹر سمیرا اکبر

Dr. Sumaira Akbar
Assistant Prof., Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad

Abstract:

Dr. Tahira Kazmi, a gynecologist by profession expresses her feminist approach through her columns that have also been published in the form of two books. The main theme of her columns circulates around women and the injustice done to women. She loudly protests against the abuse of women. Her writings can be termed as a metaphor for courage and audacity. She strongly criticizes the male dominating society, its foundations, ideologies and attitudes which deprive women of their rights and freedom. She urges women to speak up for their rights. She believes that women are not inferior to men as both genders are equal. That's why they should get equal rights and place in the society. This article analyses and portrays the feminist approach, perspective and description as presented in the columns of Dr. Kazmi.

Keywords:

Feminism, Feminist, Male Dominant Society, Women Rights, Gender Discrimination, Dr. Tahira Kazmi's Columns.

عورت کو ترقی پذیر ممالک اور مرد اساس معاشرے میں کمتر سمجھنے کا رویہ بالکل عام ہے۔ اس کو عقل و فہم سے عاری یعنی ناقص العقل بھی کہا جاتا ہے اور صنف نازک کہہ کر بعض خصوصیات جیسے شرم و حیا، نازکی، رقیق القلبی کو خواتین کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس تمام اعلیٰ اقدار اور طاقت کا سرچشمہ مرد ذات کو سمجھا جاتا ہے ۔ تمام حقوق پر مردوں کی اجارہ داری ہے اور فرائض خواتین کے دامن میں جگہ پاتے ہیں۔ اسے دوسرے درجے کا شہری سمجھ کر اس کے حقوق غصب کیے جاتے ہیں اور انہیں مشق ستم بنایا جاتا رہا۔ ان مظالم اور صورتحال نے خواتین کو اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے پر اکسایا۔ دراصل تانیثیت عورت کے حقوق کی بحالی اور اس کے وجود کو تسلیم کرنے کی ایک

تحریک ہے جس کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا۔

ڈاکٹر فاطمہ حسن ''فیمنزم اور ہم'' میں اس اصطلاح کی تعریف کچھ یوں کرتی ہیں:

''فیمنزم نسائی شعور کی بیداری ہے۔ وہ شعور جو عورت کو بحیثیت انسان کے مقام و منصب میں کمتر سمجھنے کو رد کرتا ہے۔ اس میں عورت و مرد کی تخصیص نہیں۔'' (۱)

تانیثیت ایک فلسفہ حیات یا انداز فکر ہے تاہم اس کے باطن میں کوئی ایک تنہا فلسفہ یا نظریہ کارفرما نہیں ہے۔ تانیثیت ایک عملی تحریک ہے لیکن اس میں باقاعدہ اور منظم جدوجہد کا وہ تصور نہیں ملتا جو کسی تحریک کا خاصہ ہے۔ اس لیے ہر شخص فیمنزم یا تانیثیت کا ایک انفرادی تصور رکھتا ہے۔ اس اصطلاح کی ایک مکمل تعریف اس طرح سے ممکن نہیں یہ ایک وسیع اصطلاح ہے جو کئی نظریات اور فلسفہ حیات کا مجموعہ ہے۔ ان نظریات و خیالات کا مقام اتصال خواتین کے حقوق کا حصول ہے۔ پروفیسر شہناز نبی اپنی تصنیف ''فیمنزم تاریخ و تنقید'' تانیثیت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''فیمنزم تحریکات کے مجموعے کا نام ہے جس کا مقصد عورتوں کو مردوں کے برابر سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق دینا ہے۔ مختلف دور میں پدری سماج میں عورتوں کی محکومیت کے خلاف آوازیں اُٹھتی رہی ہیں۔ ان تحریکات کے ذریعہ عورتوں کے حقوق کی تعریف مقرر کرنے، ان کی شناخت قائم کرنے، تعلیم اور روزگار میں انہیں برابر مواقع دینے کی حمایت ہوتی رہی ہے۔'' (۲)

تانیثیت دراصل ایک ایسا سماجی نظام قائم کرنے کی کوشش کا نام ہے جس میں خواتین کے لیے کام کرنے اور اپنی زندگی بہتر انداز میں اپنے مرضی سے گزارنے کے مواقع دستیاب ہوں۔ وہ تمام خواتین اور مرد جو خواتین کی کمتر حیثیت کو بدلنا چاہتے ہیں وہ فیمنسٹ ہیں۔ فیمنزم کے بارے میں ڈاکٹر طاہرہ کاظمی کا خیال ہے:

''ہمارا فیمنزم ہمیں سجھاتا ہے کہ اس دنیا میں آنے والے ہر نفس کو مرد و عورت کی تخصیص کے بغیر انسان ہونے کی بنیاد پر زندگی بسر کرنے کا ایک جیسا حق حاصل ہونا چاہیے۔'' (۳)

ڈاکٹر طاہرہ کاظمی پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں۔ ان کی دو کتابیں ''کنول، پھول اور تتلیوں کے پنکھ'' (مطبوعہ ۲۰۲۰) اور ''مجھے فیمنسٹ نہ کہو'' (مطبوعہ ۲۰۲۱) منظر عام پر آکر توجہ اور داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں دراصل کالموں کے مجموعے ہے جو انہوں نے ایک معروف اردو ویب سائٹ '' ہم سب'' کے لیے تحریر کیے۔ یہ کالم عورت پر ہونے والے ظلم و ستم، مساویانہ بلکہ غیر انسانی سلوک کے ہوش ربا، تلخ، دکھ بھرے لیکن سچے سانحات اور نفرت آمیز رویوں کی تاریخ ہے۔ وہ عورت ذات پر ہونے والی زیادتیوں پر صدائے احتجاج بلند کرتی نظر آتی

ہیں۔ بحیثیت ڈاکٹر نشتر تھامنے اور چلانے کی مہارت و ہنر ان کی تحریروں میں بھی نمایاں نظر آتی ہے کہ وہ فرسودہ رسوم و رواج، تنگ نظری، تعصب اور دیگر سماجی برائیاں جو ناسور بن کر معاشرے میں سرایت کر گئی پر نشتر زنی کرتی ہیں اور یہ زہر اس جسم سے نکال باہر کرنا چاہتی ہیں۔ اس لیے ان کی تحریریں جرات کا استعارہ بنتی جا رہی ہیں۔ ڈاکٹر طاہرہ کاظمی عورت کی شناخت کے بارے میں سوال اٹھاتی ہیں۔ عورت اپنے نام کی بجائے ساری عمر دختر، بیگم اور والدہ فلاں سے گزارا کرتی ہے حالاں کہ نام کسی بھی شخص کی اولین پہچان ہوتا ہے۔ عورت کے اس نوع کے مختلف ناموں کی اختراع کے ذمہ دار وہ پدر سری معاشرے اور اس کی مخصوص سوچ کو ٹھہراتی ہیں۔ ایک کالم "میرا نام کہاں ہے" میں وہ لکھتی ہیں:

> "بتدریج واقعات و حالات نے آگہی دی کہ پدر سری معاشروں کی تربیت عورت کو مرد کی ملکیت قرار دیتے ہوئے تقاضا کرتی ہے کہ ملکیتی عورت کو بچے، بچوں کی ماں، گھر والی میرا بازو ہی کہہ کر پکارا جائے۔ اس تفتیش میں یہ بھی کھلا کہ دور دراز کے دیہی علاقوں میں انہیں میری بکری اور میری مرغی کہہ کر بلانے والے بھی کم نہیں۔ اب یہ سامع کی دانش پہ منحصر کہ وہ گفتگو میں مرغی اور بکری سے کیا نتیجہ اخذ کرتا ہے۔"(۴)

عورت کو اپنی ملکیت اور کمتر سمجھنا اس کے برعکس اپنی ذات کو اعلیٰ اور برتر خیال کرنا مرد اساس معاشرے کے دو اہم ستون ہیں۔ اس نظام میں تمام مرد اپنے ہم جنسوں کے مفادات کا تحفظ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں ایسی سوچ اور رویوں کو پروان چڑھایا جاتا ہے جو مرد کی عظمت کے تصور کو راسخ کرے۔ ڈاکٹر طاہرہ کاظمی لکھتی ہیں:

> "پدر سری معاشرے میں ہر مرد دوسرے مرد کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے۔ سو جب عورت ایک مرد یعنی باپ سے دوسرے مرد یعنی شوہر کو منتقل کی جاتی ہے تو درمیانی وقفے میں اسے صرف ایک بات سکھائی جاتی ہے مرد کی اطاعت۔ تمام عمر، بلا مشروط، بلا جواز، بنا شکوہ یا شکایت۔"(۵)

عورت کے نام کو یوں پردوں میں چھپا کر یا ملفوف رکھنے کی ایک وجہ پدر سری معاشرے میں غیرت کے تصور کی عورت کے ساتھ وابستگی ہے۔ اس معاشرے میں غیرت کا سارا بوجھ عورت کے کندھے پر لاد دیا جاتا ہے۔ اسی غیرت کی بنیاد پر پاکستان میں اسے کاروکاری، ونی، سوارہ جیسی جاہلانہ اور غیر انسانی رسوم کا سامنا ہے جس میں زندگی جینے کا حق عورت سے چھین لیا جاتا ہے۔ مردوں کی غیرت کی بھینٹ چڑھتی ان خواتین کا تعلق پاکستان سے ہو یا کسی اور ملک سے، طاہرہ کاظمی اس رویے کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتی ہیں۔ ایران کی پندرہ سالہ رومینہ اشرفی جسے پسند کی شادی کرنے کے جرم میں اس کے باپ نے ایک وکیل دوست کے مشورے سے غیرت کے نام پر موت کے گھاٹ اتار دیا، باپ چونکہ قانونی طور پر بیٹی کا ولی بھی ہے اس لیے اس کے قتل کی پاداش میں اسے سزائے موت نہیں ہو سکتی۔ اس واقعے پر طاہرہ کاظمی کالم

" مجھے اپنی بیٹی کو قتل کرنا ہے" میں یوں احتجاج ریکارڈ کراتی ہیں:

"حیرت کا ہے کی، ایران ہو یا افغانستان، ہندوستان ہو یا پاکستان، عورت کو دیکھنے، پرکھنے، جانچنے اور فیصلہ سنانے والی وحشت بھری آنکھ اور ہاتھ میں تھامے گئے آلہ قتل میں سرحدوں کی لکیروں سے کوئی فرق نہیں پڑا کرتا۔"(۶)

پدر سری معاشرے میں غیرت کے تصور میں بھی صنفی امتیاز نمایاں ہے۔ بیٹی کے برعکس اگر بیٹا اپنی پسند یا محبت سے گھر والوں کو آگاہ کرے تو اسے قتل نہیں کیا جاتا، نا ہی خاندان کی عزت کا جنازہ نکلتا ہے، بلکہ چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیلتی ہے کہ بیٹا جوان ہو گیا ہے بقول طاہرہ کاظمی:

"یہ کس طرح کی عزت و غیرت ہے جس کی پیاس بیٹی کے لہو سے بجھتی ہے اور بیٹے کی اداؤں سے۔ یہ کس طرح کا قانون ہے جو بیٹی کو قتل کرنے پہ باپ کی کچھ برس کی قید کو کافی سمجھتا ہے ایک اور بات جان لیجیے اگر یہی قتل ماں کرے تو اس کو قانون میں کسی قسم کی چھوٹ نہیں کہ عورت کی غیرت کے تصور کا اندراج کہیں نہیں۔"(۷)

ڈاکٹر طاہرہ کاظمی اپنی تحریروں میں خواتین کی عصمت دری کے خلاف تواتر سے لکھتی ہیں۔ تقسیم ہندوستان کے موقع پر پاکستان اور ہندوستان دونوں ممالک کی ہزاروں خواتین کو آبروریزی کی سولی پر چڑھنا پڑا، کالم "آبروریزی: تقسیم کے فسادات میں فحاشی کی تلاش!" میں وہ لکھتی ہیں:

"یقین جانیے، جئے ہند اور پاکستان زندہ باد لکھنے کے لیے عورت کے جسم سے بہتر کوئی چیز نہ تھی اور لکیر کے دونوں طرف دیوار اٹھانے کے لیے عورت کے کٹے ہوئے پستانوں سے بہتر سیمنٹ اور گارا دنیا میں کہیں دستیاب نہ تھا۔"(۸)

خواتین کے ریپ کے ساتھ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات ہمارے معاشرے میں روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس طرح کے واقعات و سانحات ہمارے گرد و پیش میں رونما ہو رہے ہیں کہ انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ قصور میں تواتر سے ہونے والے جنسی زیادتی کے واقعات سب کے سامنے ہیں جو نہ جانے کتنے بچوں کی زندگیاں تباہ کر چکے ہیں اور جن کے قصوروار سر عام دندناتے پھرتے ہیں۔ ڈاکٹر طاہرہ کاظمی اس طرح کے واقعات کے خلاف بھرپور انداز میں اپنا احتجاج کرتی ہیں اور اپنے قلم کے ذریعے معاشرے کو جھنجھوڑنے کی کوشش کرتی ہیں۔ قصور میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کا معاملہ ہو یا سندھ کے ماسٹر سارنگ کا جس نے سو سے زیادہ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے بعد ان کی ویڈیو بھی بنائیں وہ ان واقعات کی مذمت کرتے ہوئے سوال اٹھاتی ہیں:

"کیا قصور میں لگنے والے زخم کے داغ مندمل ہو چکے؟

کیا کسی کو خبر ہوئی کہ مجرموں کو سزا ملی یا نہیں؟
کیا کسی کو علم ہے کہ ان بچوں کی ذہنی اور جسمانی کیفیت کو بہتر بنانے کے لیے کچھ اقدام ہوئے کہ نہیں؟
ان بچوں کی بھرے بازار میں جسم کی تذلیل بھری خرید و فروخت نے کیا معاشرے کو کچھ سوچنے اور کچھ سیکھنے پر مجبور کیا؟" (۹)

خواتین کی آبروریزی کی وجوہات کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں کہ اس کی ایک وجہ وہ گالیاں ہے جو ہمارے معاشرے ماں، بہن، بیٹی، بیوی کے نام پر دی جاتی ہیں۔ باپ، بھائی اور بیٹے کے نام کی گالیاں ہمارے معاشرے میں سننے کو نہیں ملتی ہیں۔ گالیوں کے علاوہ مختلف قسم کی پھبتیاں اور جنسی لطائف خواتین کے جسم سے جوڑے جاتے ہیں۔ اس طرح کے رویے معاشرے میں عورت کو کمتر اور نیچ ثابت کرنے کے لیے ہوتے ہیں جس کی انتہا ریپ کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ ڈاکٹر طاہرہ کاظمی اپنے کالم "سنپولیے لفظوں سے ٹپکتا زہر" میں لکھتی ہیں:

" وطن عزیز میں ریپ کلچر کی وجوہات عورت اور اس کے لباس پر لادنے سے پہلے کسی نے اپنے گریبان میں جھانک کر یہ نہیں سوچا کہ ریپ تو وہ منزل ہے جس کی طرف چلنے کا آغاز لاشعوری طور پر برسوں پہلے ہو جاتا ہے جب معاشرے کے گلی کوچوں میں عورت کو ایک ارزاں مخلوق بنا کر پیش کیا جائے، ایک ایسی صنف جس کا جسم تخیل میں ہر وقت آپ کے رحم و کرم پر ہو۔" (۱۰)

وہ معاشرے کے اس کریہہ رویے کے بارے میں مزید لکھتی ہیں کہ:

"جب مرد کی آنکھ سانپ بن کر ڈسنے کو ہر وقت تیار ہو اور ہاتھ عورت کے جسم پر رینگنے ہوئے حشرات الارض بنے رہیں تو ہمیں بتایئے کہ ایسی گفتگو، ایسی ذہنیت اور ایسا ماحول ریپسٹ کیوں نہ پیدا کرے؟" (۱۱)

ہمارے معاشرے میں عصمت دری کی اصل جڑ کی بیخ کنی کی بجائے خواتین کے لباس، چال ڈھال کو ریپ کی وجہ گردانا جاتا ہے۔ اس طرح کے گھٹن زدہ معاشرے میں جہاں عورت کا لباس، چال ڈھال اور جسم جنسی اشتعال انگیزی کا سبب بتایا جاتا ہوں اور مرد کے ذہن میں یہ ڈالا جاتا ہو کہ تمہاری ہر بے اختیاری کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے وہاں ریپ ہونا معمولی بات ہے۔ طاہرہ کاظمی اس رویے کو شدید طنز کا نشانہ کا بناتے ہوئے لکھتی ہیں:

"مرد کو اپنے خود ساختہ فطری میلان، اشتعال انگیزی، شہوت پرستی اور حاکمانہ انداز فکر پہ چونکہ قابو نہیں، ذرا سی ٹھوکر پر ہی ڈھیر ہو جاتا ہے۔ آنکھ بہک کے کہیں اور کے

خواب دکھا دیتی ہے، نفس پہ لگام نہیں سو کہیں ٹکنے نہیں دیتا۔ دیکھیے کس قدر مشکل زندگی ہے بے چارے مرد کی، بے چارہ ترغیبات سے نبرد آزما ہی نہیں ہو پاتا۔"(۱۲)

اگر ریپ کی وجہ لباس، آرائش و زیبائش اور جسم کی نمائش کو مان بھی لیا جائے تو مرد خواتین یا چھوٹی بچیوں کے ریپ کا کس طرح دفاع کیا جا سکتا ہے۔ اصل مسئلہ نہ تو عورت کے کپڑوں کا ہے نہ چڑھتی جوانی کا، نہ سکول و کالج کی تعلیم اور نہ دفتر کی نوکری کا، مسئلہ چادر کا ہے نہ حجاب کا۔ بلکہ اس مسئلہ کی اصل وجہ خواتین کو ملکیت سمجھنا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"مسئلہ ملکیت ہے، ذاتی ملکیت! بالکل ویسے ہی جیسے کوئی بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور عورت! عورت کا جسم مرد کی نظر میں ایک جائیداد ہے ایک مشترکہ چیز جیسے شام لاٹ زمین کا ٹکڑا۔ ایک ایسی ارزاں چیز جس پہ جب چاہے، جیسے چاہے کوئی آ کے اپنی مہر ثبت کرے اور چلتا بنے۔"(۱۳)

ڈاکٹر طاہرہ کاظمی کے اس تجزیاتی فہم وادراک کے بارے میں معروف فیمنسٹ نیلم احمد بشیر کہتی ہیں:

"طاہرہ کو خرابی کی نشاندہی کرنے اور ذمہ داروں کو چوٹ لگانے کا طلسماتی ہنر خوب آتا ہے۔"(۱۴)

تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں خواتین کی کمتر حالت کو مذہب کے حوالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے طاہرہ کاظمی ایسے ٹیبوز کو توڑتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ عورت کو کم عقل، کم فہم ہونے کے ناتے مرد کو خواتین کا حکمران اور ان کے اعمال کے ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے عورت کی سرزنش، گالی گلوچ یہاں تک کہ مار پیٹ کو بھی جائز قرار دیا جاتا ہے کیونکہ آخرت میں عورت کا سوال باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے سے ہو گا اس پر ڈاکٹر طاہرہ کاظمی کا کہنا ہے کہ عورت اپنی قبر میں تنہا اترے گی اور اپنے اعمال کی ذمہ دار بھی وہ خود ہے۔ وہ کالم "اللہ میاں کے نام ایک خط" میں لکھتی ہیں:

"ہم جو ساری عمر اس دنیا میں خاموش لبوں کے ساتھ اس امید پہ زندگی کے خار چنتے ہوئے تیرے در تک پہنچے کہ تو ہو گا اور ہم ہوں گے۔ تجھے حال دل کہنے اور داغ دکھانے کے لیے ہم بے تاب ہوں گے۔ اس مقام پہ تیرے حضور کھڑے ہونے کے ہم شدت سے تمنائی ہیں۔ ہم ستر مائوں سے زیادہ مہربان مالک کے دربار میں اپنی عرض خود گزارنا چاہتے ہیں۔ ہمیں تیری رحمت کا کامل یقین ہے کہ تو ہماری اس درخواست کو رد نہیں فرمائے گا۔"(۱۵)

پاکستان معاشرے میں خواتین کی زبوں حالی اور استحصال کا ایک ذمہ دار وہ ان ڈکٹیٹر صاحب کو بھی سمجھتی ہیں

جنہوں نے اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے نفاذ اسلام کا ہنگامہ برپا کیا۔ اسلامی نظام متعارف کرانے کے لیے تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت تھی، سود کو ختم کرنے اور اسلامی معاشی سسٹم لانے پر توجہ دی جانے چاہیے تھی۔ لیکن ان سارے اقدامات کی بجائے ان صاحب کو خواتین کا پردہ آسان ٹارگٹ لگا سو حکم آیا کہ بچیاں چادر اوڑھ کر سکول جائیں۔ ٹیلی ویژن پر نظر آنے والی خواتین کے سر پر دوپٹہ اٹکانا لازمی ہو گیا۔ "پاکستانی عورت پہ بابائے چادر کا احسان" میں وہ لکھتی ہیں:

> "بابائے چادر کی اپنی چہیتی لاڈلی بیٹی کبھی فوجی یونیفارم میں اور کبھی بغیر دوپٹے کے بدیسی لباس میں ہر محفل میں ابا جان کے ساتھ ساتھ ہوتی۔ ہم نے کہا نا کہ عوام کی بیٹیوں کا بھلا کیا مقابلہ ان سے جو دوسروں کو رستہ دکھانے کا عزم رکھتے ہوں۔ ان کی آنکھ کا شہتیر بھی تنکا ہی ہوتا ہے۔"(۱۶)

ڈاکٹر طاہرہ کاظمی پدرسری معاشرے میں مذہب کے ٹھیکے داروں کی پسندیدہ یا ماڈل عورت کی تصویر کشی کچھ یوں کرتی ہے:

> "نہ منہ میں زبان، نہ آنکھ میں خواہش، نہ طبیعت میں سرکشی، نہ ذات کا ادراک، نہ اپنے حقوق کی آگہی، نہ پسند و ناپسند کا احساس، نہ شخصیت میں اعتماد، نہ پرواز کی چاہت، نہ کوئی فرمائش اور نہ ہی کوئی آرزو۔ لیجیے جناب مولویوں کا خاص تراکیب اور خاص اجزا سے آرڈر پہ تیار کی گئی پاکستانی عورت حاضر ہے۔"(۱۷)

اسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے ملک میں بچوں کی جنسی زیادتی کے واقعات میں کمی نہ ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے مذہب سے منسلک جبہ و دستار والے لوگ اس قبیح عمل کے خلاف احتجاج نہیں کرتے، وہ اپنے ذاتی مفاد کو مقدم رکھتے ہوئے زبان بند رکھنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ طاہرہ کاظمی اس بے حسی کے خلاف کالم "ماسٹر سارنگ شرکا زنانے دار تھپڑ: مزا آیا" میں لکھتی ہیں:

> "کوئی ملا جمعے کے خطبے میں اس بات کو اپنا موضوع نہیں بنائے گا کہ خدارا ننھی جانوں پہ یہ عذاب اتارنا بند کر دو۔ کوئی تبلیغی جماعت گھر گھر جا کر یہ پیغام نہیں پھیلائے گی کہ بچوں کی معصومیت اور زندگی سے کھیلنا چھوڑ دو۔ ثواب کی پوٹلیاں بھاری کر کے جنت کے بیع نامے اور حوروں کے وعدے منبر سے مسلسل جاری ہیں سو جن جن گھروں میں آگ لگی وہ جانیں اور ان کے بچے۔"(۱۸)

پاکستان کا مذہبی طبقہ عورت کی آزادی اور حقوق پر بات کرنے والوں کے خاصا خلاف ہے اور ہر سال عورت مارچ پر کئی طرح کے سوال اٹھائے جاتے ہیں اور اس میں خواتین کے حقوق کے حق میں لگنے والے نعروں کو نئے معنی پہنا

کر ان کے خلاف زہر افشانی کی جاتی ہے۔ اسی طرح کے ایک نعرے ''میرا جسم میری مرضی'' پر اعتراض رکھنے والے اہل مذہب اور اہل دانش سے وہ سوال کرتی ہیں کہ کیا اگلے عورت مارچ میں یہ نعرے لگائے جاسکتے ہیں:

''میرا جسم ماسٹر سارنگ کی مرضی
میرا جسم تھانے دار کی مرضی
میرا جسم وڈیو بنانے والے کی مرضی
میرا جسم وڈیو دیکھ کر دل پشوری کرنے والے کی مرضی
میرا جسم ریاست کے اہلکاروں کی مرضی
میرا جسم جنت کے خواہشمند والدین کی مرضی''(۱۹)

مذاہب تو زندگی گزارنے کے اصول فراہم کرتے ہیں ان کا آئین کا تقدیس سے وابستہ ہوتا ہے۔ تمام مذاہب انسان دوستی اور محبت کا سبق دیتے ہیں لیکن ان تمام باتوں کے برعکس ایک طرف مسیحی چرچ معصوم بچوں سے پادری حضرات کی زیادتی کے پے در پے الزامات کی زد میں ہے تو دوسری طرف مسلم علما کے بارے میں ایک کے بعد ایک دل سوز خبر آتی ہے۔ ہندو دیو داسیوں کی دردناک داستانیں الگ سے تاریخ کا حصہ ہیں۔ تقدیس کے ان سرچشموں کے پانی میں اس مشترک آلودگی کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ کوئی نفسیات کی گتھی ہے یا تقدیس کے بلند بام قلعوں کی معاشرتی بنت میں کوئی گرہ ہے؟(۲۰)

ڈاکٹر طاہرہ کاظمی کا کہنا ہے کہ عورت کسی بھی طرح مردوں سے کم نہیں۔ مرد کو اگر جسمانی طور پہ مضبوط ہڈی پسلی بخشی گئی ہے تو عورت کو دو انتہائی طاقتور کروموسوم۔ مرد کے پاس موجود ایک ایکس اسے انتہائی کمزور بناتے ہوئے زندگی کے میدان سے جلدی رخصت کرتا ہے جبکہ عورت کے دو ایکس اسے حیات کے دشوار راستوں سے گزرنے کی استقامت دیتے ہیں۔(۲۱)

طاہرہ کاظمی بڑے بڑے فلسفیوں اور اہل دانش کے خیالات کو تنقید کا نشانہ بناتی ہیں جو انہیں عورت کی کمتر حیثیت سے متعلق قائم کیے ہیں۔ ارسطو جو قدیم یونان کے فلسفی ہیں عورت کو ذہنی اور اخلاقی سطح پر مرد سے کمتر گردانتے ہوئے اسے مرد کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ ارسطو کے ان نظریات کے متعلق وہ کہتی ہیں:

''محترم ارسطو کے ان ارشادات کو اگر طبی اور بائیالوجی کے معیار پہ پرکھیں تو ہم سمجھ نہیں پاتے کہ دونوں کے جسم اور دماغ کی بناوٹ میں فرق ہے کیا؟ جنسی اعضا کو چھوڑ کر باقی تمام اعضا کی بناوٹ میں کوئی فرق نہیں، دماغی اہلیت میں کمی بیشی نہیں، سوچ کی اڑان اور تخیل میں کمتری یا برتری نہیں۔''(۲۲)

وہ اسلام اور تاریخ اسلام سے کئی ایسی دلائل دیتی ہیں جن کی رو سے خواتین کسی طرح بھی مردوں سے کمتر ہر گز بھی نہیں ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ گھر کی سلطنت کے ساتھ ساتھ اسلام نے جنگوں میں بھی عورت کو ہمہ وقت ہمرکاب دیکھا، چاہے وہ چوب اٹھائے حضرت صفیہ ہوں یا حضرت عائشہ۔ کربلا کے میدان اور پھر یزید کے دربار تک کا امتحان بی بی زینب نے بے انتہا جرات سے ہتھکڑیاں پہنے ہوئے دیا۔ امام سجاد نے یزید کو کہیں نہیں للکارا کہ رسالت کے گھر کی عورتوں کا لڑائی میں کوئی کام نہیں۔ حقیقت میں یہ بی بی زینب کے خطبوں کا ہی اثر تھا جس نے دنیائے اسلام میں لرزش پیدا کر دی۔

طاہرہ کاظمی ایک حساس دل رکھنے والی خاتون ہیں، تو کسی بھی ظلم اور زیادتی پر تڑپ اٹھتا ہے۔ روالپنڈی کی آٹھ سالہ ملازمہ بچی جب اپنے مالکان کے تشدد سے چل بسی تو وہ بے چین ہو جاتی ہیں ہیں اور پیاری زہرا شاہ کو مخاطب کر کے لکھتی ہیں:

> "تم نے میری کوکھ سے جنم تو نہیں لیا لیکن پچھلے دو دن سے اس میں ٹیسیں اٹھتی ہیں۔
> درد بھری، کرب انگیز جو ہمیں سونے نہیں دیتیں، کسی کل چین نہیں لینے دیتیں۔
> پیاس، بھوک اڑ گئی ہے انگارے بھری سوچیں تن من کو سلگائے جاتی ہیں۔"(۲۳)

ہزارہ کے لوگوں کی نسل کشی پر وہ تڑپ اٹھتی ہیں: کالم "ہزارہ لوگ تم ایک ہی دفعہ کیوں نہیں مر جاتے" میں لکھتی ہیں:

> "پھر وہی خبر، چند لاشیں، گریہ زاری، نوحہ، برفباری اور انصاف کے منتظر لواحقین!
> سب کچھ پھر وہی! کتنے دھماکے؟ کتنی دفعہ؟ کتنے لاشے؟ کتنے چھلنی جسم؟ کتنی نفرتیں؟
> کتنی جنت کی کمائی؟ جنت کا بھاؤ تاؤ بے شمار جسموں میں سیسے کے مول؟ کوئٹہ، ہزارے
> اور نسل کشی۔"(۲۴)

ڈاکٹر طاہرہ کاظمی خود بھی ظلم اور زیادتی کے خلاف آواز اٹھاتی ہیں اور دوسرے خواتین کو بھی اپنے حقوق کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ظلم کے خلاف خاموش رہنے والے عورت اس پدر سری نظام کو مزید مستحکم کرتی ہے، وہ ایسی خواتین کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے شاہ دولے کی چوہیا سے تشبیہ دیتی ہے جو روایات، اقدار، عزت اور غیرت کی آہنی ٹوپی پہنے، نگران مرد کی ہدایات پہ سو فیصد عمل پیرا ہوتی ہیں اور اپنی خواہشات کا گلا گھونٹتی ہے۔ ان کے خیال میں پاکستانی خواتین پولیانا سنڈروم (Pollyanna Syndrome) کا شکار ہیں۔ اس مرض میں مبتلا انسان حد سے زیادہ مثبت یا دوسرے الفاظ میں نابینا خوش فہم ہوتا ہے جو اپنے ساتھ ہونے والے منفی واقعات کو نظر انداز کر کے خوش رہتا ہے۔ جیسا کہ پاکستانی خواتین کی اکثریت اپنے شوہر کے ناروا سلوک کی تاویلیں ڈھونڈ نکالتی ہیں مثلا وہ گالیاں بہت دیتا ہے لیکن بعد میں شرمندہ بھی تو ہوتا ہے۔ کبھی لڑائی میں ایک آدھ تھپڑ لگا دیتا ہے لیکن بعد میں پیار بھی

تو کرتا ہے۔ پابندیاں بہت لگاتا ہے لیکن اچھی شاپنگ بھی تو کراتا ہے وغیرہ۔ نور مقدم کے قتل کی وجہ بھی وہ اسی بیماری کو قرار دیتی ہیں۔

مرد اساس معاشرے میں عورت کی ساری زندگی پابندیوں سے عبارت ہے وہ ساری عمر کسی اور کی مرضی سے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ والدین کے گھر ہے تو باپ اور بھائیوں کی مرضی کے مطابق اس کی تعلیم، خوراک، لباس ہو گا۔ دوست بنانے ہیں یا نہیں، کتابیں کس طرح کی پڑھنی ہے، پڑھنی بھی ہیں یا نہیں، فلم یا موسیقی سننے کی اجازت ہے یا نہیں، ہنسنا ہے یا نہیں، ہنسنے کا انداز و آواز، کسی پروفیشن کا اپنانا ہے یا نہیں، شادی کس سے کرنی ہیں ان تمام باتوں کا فیصلہ لڑکی کا باپ یا بھائی کرتے ہیں۔ شادی کے بعد نگرانی کی یہ ذمہ داری شوہر بطریق احسن پوری کرتا ہے۔ زیادہ دیر تک سونا نہیں ہے، زور سے ہنسنا نہیں ہے، فون پر مصروف بھی نہیں رہنا، ہمارے خاندان کی عورتیں فیشن نہیں کرتیں، نوکری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، نوکری کرنی ہے تو کمائی پر مرد کا حق ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ خواتین کو کہتی ہیں کہ خود سے محبت کرو اور اپنی زندگی اپنے انداز اور مرضی سے جیو۔ انڈیا کی ایک خاتون عائشہ جس نے شوہر کی زیادتیوں سے تنگ آ کر ندی میں کود کر خودکشی کر لی پر کالم لکھتے ہوئے وہ کہتی ہیں:

> "اکیسویں صدی میں جنم لینے والی لڑکی، تمہیں سمجھنا چاہیے تھا کہ ہر کسی کو سب سے پہلے خود سے محبت اور عزت کرنا سیکھنا چاہیے۔ جو فرد وقار اور اعتماد سے اپنا سر بلند نہیں کرے گا اپنی عزت خود نہیں کرے گا، اسے زندگی میں آنے والا کوئی اور کیسے چاہ سکتا ہے؟ کیسے عزت دے سکتا ہے؟"(۲۵)

عورت کے ذات سے وابستہ تمام آزمائشوں اور پریشانیوں کا حل وہ اچھی تربیت کو گردانتی ہیں اور والدین سے التجا کرتی ہے کہ بیٹے اور بیٹیوں کے پرورش یکساں انداز میں کرے۔ دونوں کے پیار، شفقت میں کمی نہ کریں، دونوں کی تعلیم و تربیت پر یکساں توجہ دیں تاکہ بچوں میں احساس کمتری یا احساس برتری اور دیگر نفسیاتی، ذہنی اور جذباتی مسائل پیدا نہ ہوں۔ وہ خواتین کی تعلیم اور ان کی معاشی خود مختاری اور انہیں زبان و جرات عطا کرنے کی زبردست حامی ہیں۔ بقول ڈاکٹر طاہرہ کاظمی:

> "بیٹی کے وجود سے یا اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر شرمندگی محسوس کرنے کی بجائے اپنی بیٹی کو زبان عطا کیجیے۔ مزاحمتی الفاظ سکھایئے اور اتنی بار سکھایئے کہ جب کوئی ہوس کا مارا اپنی عادات سے مجبور ہو کر کسی جرم کا مرتکب ہو اس وقت آپ کی بیٹی اور آپ کی بہن نڈر ہو کر واویلا اور چیخ و پکار کرے اور پھر ببانگ دہل اعلان کرے کہ سنو غاصب یہ میرا جسم ہے اور اس کی مالک میں ہوں اس پہ میری مرضی چلتی

ہے۔"(۲۶)

اپنے تانیثی نظریات اور ان کے بیانگ دہل اظہار کی وجہ سے معترفین کے ساتھ ساتھ طاہرہ کاظمی کے معترضین کا بھی ایک بڑا حلقہ ہے جو ان کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں لیکن طاہرہ کاظمی کو ان کے تلخ کلمات کا کوئی رنج یا دکھ نہیں انہوں نے اپنی کتاب "مجھے فیمنسٹ نہ کہو" کے بیک فلیپ پر اس طرح کی آرا "سنگ ہائے دشنام" کے نام سے جرات کے ساتھ درج کی ہیں۔ بقول عامر ہاشم خاکوانی:

"ان خاتون پر ترس آتا ہے، فیمنزم اور لبرلزم کے ریلے میں بہتی ہوئی وہ بے عقلی تعصب اور زہریلے پن کے گڑھے میں اوندھے منہ جا گری ہیں۔"(۲۷)

ڈاکٹر طاہرہ کاظمی نے اپنے تانیثی افکار کے اظہار کے لیے جو پیرایہ اختیار کیا ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔ وہ ایک وسیع مطالعہ اور اعلیٰ ادبی ذوق رکھنے والی خاتون ہیں۔ ان کے کالموں میں افسانے کی سی چاشنی ہے۔ وہ خود کہتی ہیں کہ کہانی پکڑنے اور کہنے کا ڈھنگ انہوں نے شہر زاد سے سیکھا ہے۔ وہ ڈاکٹر رشید جہاں اور منٹو کی پیروکار ہیں جنہوں نے خواتین کے ہر دکھ اور زخم پر پھاہا رکھنا چاہا۔ وہ قرۃ العین حیدر جیسی نابغہ روزگار فکشن رائٹر کی حامی نظر آتی ہیں اور ان کے ہم عصر کچھ ادیبوں کے ہاتھوں ان کی کردار کشی کی کوشش پر شدید غم و غصہ کا اظہار کرتی ہیں۔ وہ بانو قدسیہ اور اشفاق احمد اور اس قبیل کے مصنفین پر تنقید کرتی ہیں کیونکہ ان کی آئیڈیل خاتون بے جان، گونگی، ستی ساوتری، خواہشات سے بے نیاز، ہمہ وقت قربانی کے لیے آمادہ اور احساس کمتری کا شکار ہے۔ ان کا اسلوب عمدہ اور شستہ ہے کہیں وہ پابلو نرودا کی کوئی نظم سنا رہی ہوتی ہیں کہیں فیض احمد فیض اور فیڈریکو گارسیالورکا کی انقلابی شاعری، کہیں مایا اینجلو کی نظم "صبح کی دہلیز پر" سناتی ہیں تو کہیں ایرانی شاعرہ فروغ فرخ زاد کی بے باک نظمیں کوڈ کرتی ہیں اور کہیں فریدا کوہلوں کی زندگی اور آرٹ ان کا موضوع گفتگو ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فاطمہ حسن، ڈاکٹر، فیمنزم اور ہم، کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۱۳ء، ص: ۶

۲۔ شہناز نبی، ڈاکٹر، فیمنزم تاریخ و تنقید، کلکتہ: رہروانِ ادب پبلی کیشنز، ص: ۱۷

۳۔ طاہرہ کاظمی، ڈاکٹر، مجھے فیمنسٹ نہ کہو، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء، ص: ۷۷

۴۔ ایضاً، ص: ۳۲

۵۔ ایضاً، ص: ۱۲۱

۶۔ https://www.humsub.com.pk/۳۲۷۳۷۱/tahira-kazmi-۱۷۲/ dated ۰۱-۰۴-۲۰۲۲

۷۔ Same as above

۸۔ طاہرہ کاظمی، ڈاکٹر، مجھے فیمنسٹ نہ کہو، ص: ۸۸

۹۔ ایضاً، ص: ۱۲۷

۱۰۔ ایضاً، ص: ۳۵

۱۱۔ ایضاً، ص: ۳۶

۱۲۔ ایضاً، ص: ۶۱

۳۱. dated ۰۵-۰۳-۲۰۲۲/https://www.humsub.com.pk/۳۴۳۹۹۳/tahira-kazmi-۲۰۰

۱۴۔ طاہرہ کاظمی، ڈاکٹر، مجھے فیمنسٹ نہ کہو، (فلیپ)

۱۵۔ ایضاً، ص: ۳۹۔۴۰

۱۶۔ ایضاً، ص: ۸۴

۱۷۔ ایضاً، ص: ۸۶

۱۸۔ ایضاً، ص: ۱۲۸

۱۹۔ ایضاً، ص: ۱۳۰

۲۰. dated ۲۰-۰۲-۲۰۲۲/https://www.humsub.com.pk/۴۰۰۳۰۲/tahira-kazmi-۲۸۹

۲۱. dated ۲۲-۰۲-۲۰۲۲/https://www.humsub.com.pk/۲۶۱۷۷۷/tahira-kazmi-۵۰

۲۲۔ طاہرہ کاظمی، ڈاکٹر، مجھے فیمنسٹ نہ کہو، ص: ۶۵

۲۳۔ ایضاً، ص: ۱۲۶

۴۲. https://www.humsub.com.pk/۳۶۷۶۱۴/tahira-kazmi-۲۴۰ dated ۰۷-۰۱-۲۰۲۲

۲۵۔ طاہرہ کاظمی، ڈاکٹر، مجھے فیمنسٹ نہ کہو، ص: ۱۰۲

۲۶۔ ایضاً، ص: ۱۳۳

۲۷۔ ایضاً، بیک فلیپ